فیض احمد فیضؔ کی شاعرانہ انفرادیت

Teaching Lecture

Subject : Urdu
Semester : II
Unit : I
Topic : Faiz ki Shaerana Inferadiat

Author : Dr. Fatahullah Quadri
Assist. Prof. Deptt of Urdu
A. N. D. College Shahpur Patori
(Samastipur)

فیض احمد فیضؔ کا شمار اردو شاعری کے حوالے سے بیسویں صدی کے عظیم ترین شاعروں میں کیا جاتا ہے،کسی بھی شاعری شاعری کی معراج کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا کلام کتنا ادبی حلقوں میں پڑھا جاتا ہے اور کتنا مقبول ہے،فیضؔ بیسویں صدی کے وہ شاعر ہیں جو نہ صرف ہندوستان اور پاکستان میں مقبول ہیں،بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں جہاں اردو ادب کے شیدائی ملتے ہیں ان کا کلام مقبول خاص وعام ہے،اس مختصر سے مضمون میں فیضؔ کے کلام کے مختلف رنگوں کو آشکار کرنے کی کوشش کی گئی ہے،کوئی بھی تخلیق یا شاعری اس وقت تک مقبول نہیں ہوتی،جب تک اس میں تہہ داری مختلف مضامین اور مختلف رنگ وآہنگ کی فراوانی نہ ہو،اس میں تخلیقات کی داخلی کیفیت کے ساتھ ساتھ معاشرے کی خارجی روداد کی بھی جھلک ہونی چاہیے،اس سلسلے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاعری ایسی ہونی چاہیے جس میں سماج کو آئینہ دکھایا جائے اور گرد وپیش کی سچی تصویر پیش کرتی ہو،فیضؔ نے اس بات کا خیال رکھتے ہوئے شاعری کی دیوی کو مسخر کیا اور اپنی تحقیقات جذبات وخیالات کے ساتھ سماج وکائنات کا آئینہ بنا کر قارئین ادب کے حوالے کیا،ان کی شاعری کا یہی رنگ انھیں دیگر شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔

فیضؔ ایک ایسے شاعر ہیں جو معاشرے سے ہم دردی کا جذبہ رکھتے ہیں،ان کی شاعری میں معاشرے کے لیے فکر اور اس میں ہونے والے ناخوش گوار حالات پر اظہار خیال ملتا ہے،انھوں نے شاعری کے ذریعہ دنیا میں ہونے والے ظلم وجور کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے سماج کے خوابیدہ اذہان کو جگانے کی کوشش کی ہے،جب وہ معاشرے کی بگڑی ہوئی صورت حال دیکھتے ہیں تو ان کا احساس ذہن مضطرب ہوجاتا ہے اور دل رونے لگتا ہے،جس کے نتیجے میں ان کی شاعری کرب اور بے چینی کا مرقع بنتی چلی جاتی ہے،وہ جس دور میں شاعری کر رہے تھے،وہ بڑا ہی پُر آشوب اور سماجی وسیاسی طور سے درہم وبرہم دور تھا،قدم قدم پر نئے نئے واقعات اور حادثات ان کے سامنے رونما ہورہے تھے،ان کی زندگی نے انھیں برطانوی حکومت کے ظلم وجور بھی دکھائے تھے اور انھوں نے تقسیم ہند کے کرب کو بھی محسوس کیا تھا،لحہ بہ لحہ بدلتی ہوئی دنیا کے حالات بھی ان

کی فکر کے سمندر میں تموج کی کیفیت پیدا کر رہے تھے، اس لیے ان کی شاعری میں دنیا کی زبوں حالی کی بھی ترجمانی صاف نظر آتی ہے، اس کے ساتھ ان کا ترقی پسند تحریک سے بھی وابستہ ہونا ان کی شاعری کو مقصدیت کی راہ پر گامزن کئے ہوئے تھا۔

انھوں نے نہ صرف ترقی پسند تحریک کے منشور کے تحت اپنی شاعری کو پروان چڑھایا، بلکہ حسن وعشق کے رنگ سے بھی اس کو رنگینی بخشی، احتشام حسین ان کی شاعری کے حوالے سے کہتے ہیں:

"فیضؔ کا ذاتی تجربہ محبت کا آفاقی تجربہ ہے اور نجی ہونے کے باوجود وسیع معنی اشعار میں بیان ہوئے ہیں، اس لیے اظہار کی انفرادیت میں بھی جامعیت اور آفاقیت ہے۔" (فن اور شخصیت، ص:311)

فیضؔ کے نظمیں اسی رنگ کی عکاس نظر آتی ہیں، مثلاً:

رات یوں دل میں تری کھوئی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے
جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے باد نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آجائے

ان کے کلام میں حب الوطنی کا جذبہ بھی ابھر کر سامنے آتا ہے، وہ اپنی شاعری کے ذریعہ سماجی اور اخلاقی قدروں کو پیش کرتے ہیں ساتھ ہی ذوق جمالیات کے دامن کو بھی تھامے رہتے ہیں، مثلاً یہ اشعار دیکھیں:

شمع نظر خیال کے انجم جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں
....
غم جہاں ہو رخ یار ہو کہ دست عدو
سلوک جس سے کیا ہم نے عاشقانہ کیا

فیضؔ کی شاعری قدیم شعری روایتوں سے انحراف کرتی ہوئی نظر آتی ہے، وہ حسن وعشق کی وادیوں سے نکل کر زندگی کے منفرد پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں:

یہ حسیں کھیت پھٹا پڑتا ہے جوبن جن کا
کس لیے ان میں فقط بھوک اگا کرتی ہے
....
ویراں ہے میکدہ خم وساغر اُداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے ہیں بہار کے

وہ اپنے کلام میں انتظار وتنہائی کو بھی بڑے پراثر اور مختلف انداز میں پیش کرتے ہیں، ساتھ ہی اپنی ایک نظم "خدا وہ وقت نہ لائے" میں اپنے محبوب کو خوف بھی دلاتے ہوئے نظر آتے ہیں:

طویل راتوں میں تو بھی قرار کو ترسے
تری نگاہ کسی غمگسار کو ترسے
خزاں رسیدہ تمنا بہار کو ترسے
خدا وہ وقت نہ لائے کہ تجھ کو یاد آئے
وہ دل کے تیرے لیے بے قرار کو ترسے

....

تم آئے ہو نہ شب انتظار گزری ہے — تلاش میں ہے سحر بارہا گزری ہے
وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا — وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

وہ اپنی نظموں میں اپنے محبوب کے لیے بڑے فکر مند نظر آتے ہیں، وہ یہ نہیں چاہتے کہ ان کا محبوب کسی بھی طرح پریشانی میں مبتلا ہو یا سوگواری کی منزلوں کو طے کرے:

خدا وہ وقت نہ لائے کہ سوگوار ہو تو
سکوں کی نیند تجھے بھی حرام ہو جائے
تری مسرت پیہم تمام ہو جائے
تری حیات تجھے تلخ جام ہو جائے
غموں سے آئینہ دل گزار ہو تیرا

انھوں کے شاعری کے ذریعہ تحریک آزادی کی بھی ترجمانی کی، یہاں تک کہ ان کے انقلابی خیالات کی وجہ سے انھیں قید و بند کی مصیبت سے بھی دو چار ہونا پڑا، وہ اپنے اشعار میں اس کیفیت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

متاع لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے — کہ خون دل میں ڈبولی ہیں انگلیاں میں نے
زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے — ہر ایک حلقہ زنجیر میں زباں میں نے

وہ ایک سچے وطن پرست تھے اور آزاد بھارت میں ایک ایسے سماج کی تشکیل کا خواب دیکھتے تھے، جہاں کسی کا استحصال نہ ہو اور عوام سکون و راحت کی زندگی گزر کر سکیں، لیکن آزادی کے بعد ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا تو ان کا دل بے قرار ہو اٹھا اور انھیں ''صبح آزادی'' جیسی نظم کہنی پڑی:

یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گزیدہ سحر — وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
وہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر — چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل — کہیں تو ہوگا شب سست موج کا ساحل

ان کے یہاں روایتی علامتیں پائی جاتی ہیں، لیکن ان کا مفہوم نئے رنگوں سے آشنا کراتا ہے، مثلاً:

''گل، گلشن، قفس، چمن، پھول، خار، گلچیں، بلبل، مئے، میخانہ، ساقی، ناصح محتسب اور واعظ'' جیسی روایتوں کو وہ دور جدید کے

تقاضوں کے مطابق پیش کرتے ہیں، جس سے ان کے اشعار میں معنی کے مختلف زاویے ابھر کر سامنے آتے ہیں، اور ایک سحر انگیزی کی کفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

غرض یہ کہ ان کی شاعری کو پڑھ کو کہا جا سکتا ہے کہ ان کی شاعری میں فلسفہ، منطق، زنگی کی حقیقتوں کی ترجمانی معاشرے کی بگڑی ہوئی صورت حال، غم جاناں اور غم دوراں کی بھی عکاسی ہے، وہ قدیم شعری روایتوں کو بدل کر انہیں غنائیت کے زیور سے آراستہ کرتے ہیں، وہ ایسے شاعر ہیں، جنھوں نے صرف شاعری ہی نہیں کی، بلکہ قلم کی لمحہ بہ لمحہ پرورش کرتے ہوئے اپنے ذاتی تجربات اور روداد کو شاعری میں پیش کیا، ان کا یہ شعر ہی بات کا ترجمان ہے:

ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

❁❁❁❁❁❁❁